

تزکیہ نفس

آفاتِ علم

(از جناب مولانا امین احسن اصلاحی)

جس طرح کسی سرسبز و شاداب باغ پر کوئی آفتِ ارضی و سماوی نازل ہو جاتی ہے اور وہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طرح لہلہاتی ہوئی کھیتی کو کوئی روگ لگ جاتا ہے جس سے وہ دفعۃً یا آہستہ آہستہ مجلس جاتی ہے۔ جس طرح ایک عالیشان عمارت نذرِ فنا مل ہو جانے کے سبب سے یا کسی زلزلہ کی وجہ سے کھنڈر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک تنومند اور زندرست انسان کسی بیماری کا شکار ہو کر موت کے کنارے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح علم و معرفت کو تباہ کر دینے والی بھی بہت سی بیماریاں ہیں جو اگر اس کی جڑوں کو لگ جائیں تو پھر اس کو ختم کر کے ہی دم لیتی ہیں۔ ان آفتوں میں سے بعض اپنے مزاج کے لحاظ سے جلد اور تیز اثر کرنے والی ہیں اور بعض آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض انفرادی حیثیت سے نمودار ہوتی ہیں۔ بعض وبائی بیماریوں کی طرح پھوٹ پڑتی ہیں۔ بعض عقل اور ذہن کی طرف سے نمودار ہوتی ہیں۔ بعض اخلاق و عمل کی طرف سے بعض محض کاہلی اور بے پروائی سے پیدا ہوتی ہیں۔ بعض جان، مال یا جامع لفظوں میں دنیا کی غیر معمولی محبت کے سبب سے۔ بعض بزدلی، لیسٹ ہمتی اور خوف کا نتیجہ ہوتی ہیں اور بعض گھمنڈ، غرور اور خود پسندی اور انانیت کا۔ ان اعتبارات سے ان کے درجہ اور ان کی نوعیت میں بہت کچھ فرق ہوتا ہے لیکن جہاں تک ان کے اثر اور نتیجہ کا تعلق ہے یہ سب انسان کو علم حقیقی کی دولت سے محروم کر دینے کی خاصیت میں بالکل یکساں ہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہر انسان جو ایک مرتبہ علم کی نعمت پا کر اس سے محروم ہونے کے لیے تیار نہ ہو ان بیماریوں کی نوعیت اور ان کے علاج کے طریقوں سے اچھی طرح واقف رہے۔ اپنی صحت کی قدر کرنے والا

ایک شخص جتنا اہتمام ان بیماریوں سے واقف رہنے کے لیے کرتا ہے جو اس کی صحت کو برباد کر سکتی ہیں اس سے کہیں زیادہ ضروری علم حقیقی کے ایک قدردان کے لیے ان آفتوں سے باخبر رہنا ہے جو اس کے علم کو غارت کر سکتی ہیں۔ ہر شخص اپنے زمانہ کی حفاظت کا اہتمام اس کی قدر و قیمت کے لحاظ سے کرتا ہے مگر ایک شخص اپنی جسمانی صحت کی حفاظت سے قاصر رہ جائے تو اس سے جو نقصان اس کو پہنچے گا وہ بیشتر اسی دنیا کی زندگی تک محدود رہے گا۔ لیکن اگر ایک شخص علم حقیقی کی نعمت کی حفاظت سے قاصر رہ جائے تو یہ ایک ایسا نقصان ہوگا جس سے اس کی دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ان بیماریوں کی اس اہمیت کے سبب سے ہم یہاں ان پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

غفلت اور بے پروائی | ان بیماریوں میں سب سے زیادہ عام بیماری غفلت اور بے پروائی کی بیماری ہے۔ انسان کا کچھ خاصہ سا ہے کہ جو چیز اس سے پاس موجود ہو اس کی قدر آہستہ آہستہ اس کی نگاہوں میں کم ہو جاتی ہے اور جس چیز کی قدر کم ہو جائے گا تو اس کے رکھ رکھاؤ میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ اور جب ایک چیز کے رکھ رکھاؤ میں فرق آیا تو پھر ناگزیر ہے کہ اس چیز پر تغافل کا سایہ پڑنا شروع ہو جائے اور پھر آہستہ آہستہ اس پر ایک دن ایسا آئے کہ بالکل ہی عدم کی تاریکی چھا جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسیان کو علم کی سب سے زیادہ عام آفت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ ارشاد ہے آفة العلماء النسیان (علم کے لیے بڑی آفت بھول جانا ہے)۔ دین و دعب سے کہ قرآن مجید کے متعلق (جو علم حقیقی کا خزانہ ہے) آپ نے خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی ہے کہ قرآن اپنے قرآن ہے، ناسخ کو برابر تازہ کرتے رہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں :-

تعاہدوا القرآن فانہ امثل تفصیا	اپنے قرآن کو برابر تازہ کرتے رہو جس طرح اونٹ
من صدور الرجال من النعم (متفق علیہ)	غفلت کے سبب کھو جاتا ہے اس سے زیادہ آسانی
	کے ساتھ قرآن سینوں سے نکل جایا کرتا ہے۔

دوسری روایت میں یہی مضمون ان الاطیاس بیان ہوا ہے :-

مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل اس شخص کی مثال جس کے پاس قرآن کا علم ہو اس شخص

المعلقة ان عاهد علیہا امسکها وان
اطلقها ذہبت۔

کی ہے جس کے پاس بندھنوں میں بندھے ہوئے اونٹ
ہوں۔ اگر وہ ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے تو وہ محفوظ
رہتے ہیں اور اگر وہ ان سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر وہ
نہیں کے کہیں چل دیتے ہیں۔

یعنی علم کے لیے صرف ایک مرتبہ حاصل کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کو حاصل کر لینے کے بعد بار بار اس کی
دیکھ بھال کرتے رہنا بھی ضروری ہے ورنہ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ ایک شخص کسی دور دراز ولایت سے صرف کثیر
اور اہتمام و انتظام کی تمام زحماتیں جھیل کر ایک قیمتی پودا منگوا لے لیکن منگوا چکنے کے بعد پھر اس کی خبر نہ لے
کہ وہ کس حال میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو پودا جس قدر قیمتی ہوتا ہے وہ اسی قدر رکھ رکھاؤ اور اہتمام کا طالب
ہوتا ہے ادا اگر یہ چیز اس کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر اس کا نشوونما پانا تو دور کنار اس کا محفوظ رہنا بھی ناممکن ہو جاتا
یہی حال علم حقیقی کا ہے۔ جہاں تک اس کے حاصل ہونے کا تعلق ہے اس کا راستہ ہر طالب کے
لیے کھلا ہوا ہے۔ جس طرح آسمان سے بارش برتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنی یہ سب سے
بڑی نعمت بھی برساتی ہے اور اس کے نبیوں اور رسولوں اور اس کے صالح بندوں نے اس نعمت کے تقسیم
کرنے میں تاریخ کے کسی دور میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور اس علم کو بقدر استعداد پایا بھی بہتوں نے ہے۔
لیکن جہاں تک اس کی دیکھ بھال اور اس کے رکھ رکھاؤ کا تعلق ہے اس زمرہ داری کے ادا کرنے میں بہت
تھوڑے ہی پورے اترے ہیں اور حقیقت یہی تھوڑے سے پورے اترنے والے ہیں جو اس نعمت سے
بہرہ یاب ہوئے ہیں ورنہ بہتوں کے لیے جیسا کہ بعض حدیثوں میں فرمایا گیا ہے، یہ علم مفید مہرنے کے
بجائے ان کے خلاف ایک محبت ہی ثابت ہوا ہے۔

یہی سبب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کے لیے خواص اہتمام فرماتے تھے۔
چنانچہ خود قرآن مجید کی بعض آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو قرآن کی آیتیں سناتے تو آپ اس اندیشہ سے کہ کوئی چیز یاد کرنے سے نہ نہ جائے اس کو بار بار دہراتے
اور اس کو اچھی طرح محفوظ کرنے کی کوشش فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے فارغ کر دینے کے لیے

قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو محفوظ کرنے کی ذمہ داری خود سے لی اور آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی :-

لَا تُخَوِّكُ بِهِ لِسَانُكَ لِتَتَّخِذَ بِهِ رِثًا
عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنُهُ - قَاذَا قُرْآنَاكَ فَاتَّبِعْ
قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (سورہ قیمہ)

تم اس کو قرآن کو، جلد حاصل کر لینے کے لیے اس پر اپنی
زبان نہ چلاؤ۔ ہماری ذمہ داری ہے اس کو محفوظ کرنا اور
اس کو سنانا۔ سو جب ہم اس کو سنائیں تو تم اس سلسلے سچو
کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اسکی وضاحت کرنا۔

یہ قرآن کو محفوظ رکھنے کا مقصد ہی ہے جس کی وجہ سے اس کو ایسے اسلوب میں ڈھالا گیا کہ اس کو یاد
رکھنا آسان ہو اور پھر اس کی بار بار تلاوت کا حکم دیا گیا اور پنجوقتہ نمازوں میں اس کی تلاوت کو فرضی قرار
دیا گیا۔ علاوہ ازیں رمضان کی راتوں میں خاص اہتمام کے ساتھ تمام مسلمانوں کے لیے یہ بڑے اجر و ثواب کا
کام ٹھہرایا گیا کہ مساجد میں قرآن پڑھا جائے اور عام لوگ اس کو سنیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض
اور نفل نمازوں کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی قرآن کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ یہی حال صحابہ رضی اللہ
عنہم کا تھا۔ قرآن کا جتنا جتنا حصہ اترتا جاتا اور جس جس کو پہنچتا جاتا وہ اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا۔ یہ
اہتمام صرف قرآن کے الفاظ ہی کو محفوظ کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ الفاظ سے زیادہ اس کے معانی و مطالب
کے محفوظ کرنے کے لیے صحابہ میں سرگرمی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ صحابہؓ اپنے زمانہ میں مختلف علمی مجلسیں قائم کرتے
تھے جن میں قرآن مجید کے معانی و مطالب اور اس کے اسرار و حقائق پر گفتگو میں ہوتی تھیں۔ ان حلقوں میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی شرکت فرماتے تھے اور تحقیق قرآنی کی ان مجلسوں کو آپ ذکر و عبادت کی
مجلسوں پر بھی ترجیح دیتے تھے۔

قرآن اور علوم نبوی کو محفوظ کرنے کا یہی ذوق و شوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے
راشدین کے زمانوں میں بھی باقی رہا۔ خلفائے راشدین خود اس دھچپی کو بڑھانے میں حصہ لیتے رہے خصوصیت
کے ساتھ حضرت عمرؓ نے اس خدمت میں جو حصہ لیا اس کے ذکر سے ان کی زندگی کا ہر وقت نورانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے علم کے لیے حفاظت کا یہ اہتمام پچھلی امتوں کے زمانوں میں نہ ہو سکا۔
چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا اور یہ امتیں اللہ تعالیٰ کی روشنی پانے کے بعد

ان سے محروم ہو گئیں۔ چنانچہ یہود کا جو حال ہوا اس کی مثال قرآن نے یہ دی ہے :-

مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّذِينَ امْتَنَوْا قَدْ نَارًا
فَلَمَّا اصْنَعَتْ مَآحِلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ
وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ -
ان کی مثال بالکل اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی،
جب آگ نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے
ان کی روشنی اچک لی امدان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا جہاں
ان کو کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ (۱۴ - بقرہ)

انہی یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وَلَسَوْا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تُزَالُ تُطْلَعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ
(۱۳ - مائدہ) اور جس چیز کے ذریعہ سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی اس کا ایک حصہ انہوں نے فراموش کر دیا اور
تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے مطلع ہوتے رہو گے ۔

اسی طرح نصاریٰ کے متعلق قرآن مجید میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے
اتارے ہوئے علم کا ایک حصہ اپنی ناقدری اور بے پرواہی کے سبب فراموش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
ان کے درمیان اختلاف اور جھگڑے کی مستقل بنیادیں قائم ہو گئیں جن کے رفع ہونے کی اب ان کے
پاس کوئی صورت باقی ہی نہیں رہ گئی۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا
مِثْلًا لَّهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ
الْقِيَامَةِ (۱۴ - مائدہ)
اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں ہم نے
ان کا عہد لیا تو وہ جھلا بیٹھے ایک حصہ اس چیز کا جس کے
ذریعہ سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی تو ہم نے ان کے
درمیان دشمنی اور نفرت کی آگ بھڑکا دی قیامت
تک کے لیے۔

خواہشات نفس کی پیروی | دوسری چیز جو علم حقیقی سے محروم کرنے والی ہے وہ خواہشات نفس کی پیروی
ہے۔ اس کے لیے قرآن مجید کی مخصوص اصطلاح اتباع ہوا ہے۔ اتباع ہوا کا مطلب یہ ہے کہ آدمی
اپنی ضروریات کی تکمیل، اپنی خواہشات کے حصول، اپنی شہوات کی تسکین اور اپنے جذبات کی تسلی کے
سوا اور کسی چیز سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ ان کے سوا اس کے سامنے زندگی کا کوئی اور اعلیٰ اور بلند تر

مقصد نہ رہ جاتے۔ وہ انہی چیزوں کو زندگی کا حقیقی مقصود سمجھ بیٹھے اور اپنی تمام قوتیں اور قابلیتیں اور اپنے تمام ذرائع و وسائل بس انہی کی خدمت اور مقصد براری میں لگا دے۔ ان کی لذتیں اور ان کے نقد متانے اس کو اس طرح مسحور کر لیں کہ اس کو یہ سوچنے کا کبھی موقع ہی نہ مل سکے کہ ان کے سوا کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے۔ جو چاہی جاسکتی ہے اور یہ زندگی اس کے حاصل کرنے کا بھی ذریعہ بن سکتی ہے۔

اس اتباع ہوا کا ایک مرحلہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہشات و شہوات کی تعمیل میں اس قدر آگے بڑھ جائے کہ زندگی کے اندر وہ ان کے سوا یا تو کسی اور اعلیٰ اصول اور برتر قدر کا قائل ہی سرے سے نہ رہ جائے اور اگر قائل رہے بھی تو اپنے ان نفسانی مطلوبات کے حصول میں ان کا حارج ہونا کسی طرح گوارا نہ کرے۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جب اٹھے تو اس چیز سے بالکل آنکھیں بند کر کے اٹھے کہ حرام و حلال اور ظلم و انصاف کے کچھ معروف ضابطے بھی ہیں جن کا اس کو احترام کرنا ہے۔ جب اس کے اوپر شہوت کا بھوت سوار ہو تو وہ صرف اس بات پر نگاہ رکھے کہ اس کی یہ شہوت کی آگ بجھتی کس طرح ہے، اس نے بالکل قطع نظر کر لے کہ اس کے لیے خدا اور رسول نے کچھ ضابطے بھی مقرر کیے ہیں جن سے تجاوز کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ جب اس پر کوئی جذبہ غالب آ جائے تو وہ اس کے تقاضوں کی زد میں بہہ جانے کے لیے اپنے آپ کو اس کی موجوں کے حوالہ کر دے اس سے اسے کچھ نیٹ نہ رہے کہ یہ جذبہ برا ہے یا اچھا اور اس کے اندر اعتدال اور بے اعتدالی کی حدیں کیا ہیں۔ الغرض وہ ایک نرا حیوان بن جائے اور حیوانوں ہی کی طرح اپنی ضروریات و خواہشات کی تکمیل کرے، بس اگر کچھ فرق رہ جائے تو یہ کہ حیوانات کے لیے کچھ جتنی حدود ہوتے ہیں جن کی پابندی پر وہ مجبور ہوتے ہیں اس وجہ سے کسی راہ میں بھی قدرت کی مقرر کی ہوئی ایک متعین حد سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے اور یہ ایک خود مختار مخلوق ہونے کی وجہ سے اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں جس قدر آگے بڑھنا چاہے بڑھتا پھلا جائے۔ یہی تو ہیں جن کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اُولَٰئِكَ كَالْاِطْعَامِ بَلِّ هُمَا حَنْلٌ۔ یہ لوگ چہ پاویں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ ٹھیکے ہوئے ہیں۔

اس اتباع ہوا کا دوسرا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ آدمی صرف حلال و حرام کے حدود توڑنے ہی پر

تقاعد نہ کرے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں اس قدر اندھا ہو جائے کہ ان کی خاطر تمام اقدار کو بدل ڈالنے کے درپے ہو جائے۔ اس کی کوشش یہ ہونے لگے کہ معروف منکر بن جائے اور منکر معروف کی جگہ حاصل کرے۔ جو چیز اب تک نیکی سمجھی گئی ہے وہ بدی سمجھی جانے لگے اور جو بدی ہے وہ نیکی کی حیثیت اختیار کر لے۔ قوم کی روایات، قوم کی تہذیب، اور قوم کے سارے معیارات یک قلم تلپیٹ ہو جائیں۔ دین و مذہب کے نام سے جو چیز موجود ہے اس کا اقل تو خاتمہ ہو جائے لیکن اگر خاتمہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کی وہ چیزیں جو کسی پہلو سے نفس کی آزادیوں میں خلل انداز ہوتی ہیں مٹا دی جائیں۔ ان میں سے بعض کو ملائمت اور دنیا نو سمیت کہہ کر ختم کر ڈالا جائے، کچھ پر تحریف کی قینچی چلا دی جائے۔ کچھ پر تاویل باطل کی سیاہی پھیری جائے۔!۔ صرف انہی چیزوں کو باقی رہنے دیا جائے جو نفس کی خواہشوں کے مطابق ہیں یا کم از کم ان سے متصادم نہیں ہیں۔

انسان کی یہ کوشش اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی میں اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں رہ جاتا کہ کسی گوشہ سے اس کے کانوں میں ملامت کی کوئی آواز پڑے۔ اسی وجہ سے وہ یا تو ان ساری چیزوں کو مٹا دیتا ہے جو اس کے نفس کو کھٹکتی ہیں یا ان کو تاویل و تحریف کے پردوں میں چھپا دیتا ہے تاکہ ان کے سبب سے اس کی نفس پرستی کی آزادی میں اس کا ضمیر کوئی خلش نہ محسوس کرے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کتر بیونت اور اتنی کاٹ چھانٹ کے بعد مذہب کا کچھ حقہ ان کی زندگیوں کے کسی گوشہ میں اگر بچ رہتا ہے تو اس وجہ سے نہیں بچ رہتا ہے کہ وہ مذہب کا حصہ ہے، یا خدا نے اپنی کتاب میں اس کی تعلیم دی ہے، یا رسول نے اپنے قول اور فعل سے اس کو قائم کیا ہے۔ بلکہ اس کے بچ رہنے کی واحد وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ یہ چیز ان کی خواہشوں کے مطابق ہوتی ہے یا کم از کم یہ کہ ان کے خلاف نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ قرآن اور حدیث کی کسی بات کو اس لیے ماننا کہ یہ ہماری خواہشوں کے مطابق ہے یہ قرآن و حدیث اور اللہ اور رسول کو ماننا نہیں ہے بلکہ یہ محض اپنی خواہشوں کی پرستش ہے۔ خدا اور رسول کے ماننے کے لیے تو یہ لازمی ہے کہ ان کی ہر بات مانی جائے خواہ وہ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوں یا ان کے خلاف۔

بلکہ ایمان کا حقیقی تقاضا تو خواہشوں کے خلاف ماننے ہی سے پورا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به۔ ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشیں میرے لائے ہوئے علم کے تابع نہ بن جائیں۔“

انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح کی بنائی ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں طرح کے رجحانات و ولعیت کر دیئے ہیں۔ جہاں تک اس کی مادی ضروریات و خواہشات کا تعلق ہے وہ تو اس کو پوری طاقت کے ساتھ نفع عاجل اور لذت عاجل کی طرف کھینچتی ہیں اور اس کو ہرگز اجازت نہیں دیتیں کہ وہ ان کی تکمیل کی راہ میں کسی قسم کی اخلاقی قید و بند کو حائل ہونے دے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر کچھ روحانی تقاضے بھی ہیں جو اس کے ہر غلط اقدام پر اس کو ٹوکتے ہیں اور اس کی نفسانی خواہشوں کے علی الرغم اس کو نیکی، انصاف اور حق پرستی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف کھینچتے ہیں۔ انسان کی نفسانی اور روحانی کشمکش کا یہی وہ مرحلہ ہے جس میں انسان کی دستگیری اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے انسان کو علم حقیقی کی روشنی عطا فرمائی ہے اور اس علم حقیقی کو ”العلم“ کی اصطلاح سے تعبیر فرمایا ہے اور انسان کی سعادت و کامرانی اس بات میں رکھی ہے کہ انسان اپنی زندگی کے تمام مراحل میں ”ہواہ کی پیروی کرنے کے بجائے اس ”العلم“ کی پیروی کرے۔ اور اگر وہ اس ”العلم“ کے ہوتے ہوئے اپنے ”آہواہ“ یعنی اپنی خواہشات، اپنے من گھڑت نظریات و افکار اور اپنے جی سے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط کی (جو العلم کے خلاف ہوں)، پیروی کرتا ہے تو وہ اس قانون کی مخالفت کرتا ہے جو فاطر السموات والارض نے انسان کی فلاح و نجات کے لیے بنایا ہے اور اس صورت میں اس کو خدا کے قانون کی مخالفت کے برے انجام سے کوئی طاقت بھی نہیں بچا سکتی۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید کی یہ آیت واضح کر رہی ہے۔

وَلَبِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ قُوَّةٍ

اور اگر تم ان کی خواہشوں کی پیروی کرو گے بعد اس کے
کہ تمہارے پاس ”العلم“ آچکا ہے تو اللہ کے مقابل میں

وَلَا فَاقِ

(۳۷ - رد)

کوئی تمہارا کارساز اور بچانے والا نہیں بن سکے گا۔

اس "العلم" اور "ہوا" کی طبیعت میں ہر اعتبار سے بالکل تضاد ہے۔ ایک کا سر حشرہ وحی الہی ہے اور دوسرے کا منبع انسان کا اپنا نفس۔ ایک ہمیشہ انسان کو ابدی زندگی کی بلندیوں کی طرف بڑھنے کے لیے اشارہ کرتا ہے اور دوسری چیز اس کو اسی زندگی کی فانی لذتوں کی کھچڑی میں لت پت رکھنا چاہتی ہے۔ ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان مادی خواہشوں اور لذتوں کی تنگ نائے سے نکل کر روحانی کمالات کے حاصل کرنے کے لیے پرواز کرے لیکن دوسرے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انسان اسی زمین کا کٹر اہلکار رہے۔ اس کوشش اور خواہش میں کچھ عرصہ تک کشمکش رہتی ہے بالآخر یہ کشمکش اس وقت ختم ہوتی ہے جب انسان ان میں سے کسی ایک کو مستقلاً اپنے لیے انتخاب لیتا ہے۔ اگر وہ برابر "العلم" کے مقابل میں "ہوا" ہی کو ترجیح دیتا ہے، بلندیوں پر چڑھنے کے بجائے پستیوں ہی میں گرے ہوئے رہنے کو پسند کرتا ہے، اور خدا کے بجائے اپنے نفس اور اس کی خواہشوں ہی کی رہنمائی پر اعتماد کرتا ہے اور اس پر فداوت اور رذالت اس قدر غالب آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شر سے خیر کی طرف اور بدی سے نیکی کی طرف موڑنے کے لیے عسرا و لیسرا اور رنج و راحت کے جو امتحانات رکھے ہیں ان سے بھی وہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ دونوں ہی صورتوں میں کتے کی طرح زبان نکالے ہی رہتا ہے تو ایسے لوگوں سے "العلم" کی نعمت سلب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خواہشوں اور لذتوں کے حوالہ کر دیتا ہے کہ وہ ان کے پیچھے جن جن دلدلیوں میں جھٹکنا چاہتے ہیں اچھی طرح جھٹک لیں۔ قرآن مجید نے اسی صورت حال کی تصویر ایک تمثیل کے ذریعہ سے پیش کی ہے اور دیکھیے کس قدر جامع اور خوبصورت تمثیل ہے۔

اور ان کو سرگزشت سناؤ اس شخص کی جس کو ہم نے اپنی آیتیں عنایت کی تھیں لیکن ان سے وہ بالکل کنارہ کش ہو گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ پس وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ سے اس کو بلند کرتے لیکن وہ برابر پستی ہی کی طرف

قَاتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِي أَتَيْنَاهُ
آيَاتِنَا فَأَسْلَمَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ
مِنَ الْغَاوِينَ ۚ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَا بِهَا وَلَكِنَّهُ
أَخَذَ إِلَى الْأَرْضِ وَاسْتَمِعَ هَٰؤُلَاءِ فَمَثَلُهُ
مِثْلُ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ

تَتَرَكُهُ يَكْمَثُ -

(۱۷۶- الاعراف)

جھکارا اور اس نے اپنی خواہشوں ہی کی پیروی کی پس
اس کی مثال بالکل کتے کی مثال ہے مگر تم اس کو ڈانٹو
ڈمپو حبیب بھی اپنی زبان نکالے رکھے گا اور اگر چھوڑ دو
حبیب بھی زبان نکالے رکھے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ نے یہودی کی مثال بیان کی ہے جن کو العلم کی روشنی عطا ہوئی تھی لیکن انہوں نے اس روشنی
کی قدر نہیں کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان ان کے پیچھے لگ گیا اور اس نے ان کو بالکل ہی ایمان سے محروم
کر کے چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ان آیتوں کی کند کا سہارا لے کر روحانی بندیدوں کے مقامات طے
کرنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں لیکن وہ برابر اپنی ہوائے نفس ہی سے چٹے رہے اور اس قدر سست بہت
اور ذلیل ہو گئے کہ نہ خدا کی تنبیہات نے ان پر کچھ اثر ڈالا اور نہ اس کی عنایات نے۔ بالآخر حبیب وہ اس
قدر ذلیل اور سست بہت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے "اعلم" کی روشنی ان سے چھین لی اور ان کو ان کے نفس کے
حوالہ کر دیا۔

عدم احتساب | علم حقیقی کو برباد کرنے والی آفتوں میں سے ایک بہت بڑی آفت عدم احتساب بھی
ہے۔ عدم احتساب کے معنی یہ ہیں کہ آدمی نیکی اور بدی اور حق اور باطل کے معاملہ میں بالکل بے تعلق ہو کر
رہ جائے۔ اسے اس سے کچھ بحث ہی نہ رہ جائے کہ دنیا نیکی کی طرف جارہی ہے یا بدی کی طرف، خیر کی
طرف بڑھ رہی یا شر کی طرف، معاشرہ بگڑ رہا ہے یا بن رہا ہے۔ وہ یا تو یہ نظریہ قائم کر لے کہ یہ پرلے
جھگڑے ہیں اور پرلے جھگڑے نمٹنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے یا فضا کی خرابی اور حالات کی نامساواری
اس کو اس قدر سست بہت اور بزدل بنا دے کہ صریح سے صریح انحراف کو دیکھ کر بھی اس کی زبان سے
کلمہ حق نہ نکلے۔ اگر کسی قوم کے اندر حاملین علم کی اکثریت یا ان کی پوری جماعت کی جماعت ہی روش اختیار
کر لے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس قوم پر باطل کی تاریکی چھا جاتی ہے اور وہ علم حقیقی کے نور سے
بالکل ہی محروم ہو جاتی ہے۔

کسی معاشرے کے اندر جس وقت خرابی کا آغاز ہوتا ہے تو یہ خرابی زیادہ طاقتور نہیں ہوتی۔ اگر اسی مرحلہ

میں معاشرے کے ذمہ دار لوگ اس کے احتساب کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور برائی کے ذمہ داروں کو مناسب تنبیہ ہو جائے تو اس کے مزید پھیلنے کے امکانات کا سدباب ہو جاتا ہے لیکن اگر اس سے تغافل برتا جائے تو آہستہ آہستہ وہی معمولی سی برائی بڑی پکڑ لیتی ہے اور پھر اس کے برگ و بار اس قدر پھیل جاتے ہیں کہ ان پر قابو پانا ناممکن ہو جاتا ہے ۔

سر سیمہ شاید گرفتار یہ میل چور پر شد شاید گذشتن بہ پیل

اس احتساب کے لیے قرآن کی معروف اصطلاح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔ اگر اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے غفلت کی جائے تو اس کے نتائج کا پہلا مرحلہ تو یہ سامنے آتا ہے کہ معروف منکر اور منکر معروف کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اس کا دوسرا مرحلہ یہ آتا ہے کہ طبیعتیں مسخ ہو کر بدی کے سانچے میں اس طرح ڈھل جاتی ہیں کہ جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذمہ دار تھے وہ علانیہ بدی کا حکم دینے اور نیکی سے روکنے لگ جاتے ہیں۔ اس کا تیسرا مرحلہ یہ آتا ہے کہ علم حقیقی کی روشنی بالکل ہی غائب ہو جاتی ہے اور تمام معاشرے پر ایسا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے علم رکھنے والوں کی عقل بھی چکر کھا جاتی ہے اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس فتنہ سے بھاگ کے کہاں جائیں اور کیا کریں۔ ان تمام مراحل کی تصویر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر کھینچ دی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

کیف انتم اذا طغى نساءکم	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت
وفسد شایا بکم وتوکتہم جہادکم؟	تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں بے قابو ہو
قالوا وان ذالک لکائن یا رسول اللہ؟	جائیں گی، تمہارے نوجوان بدچلن ہو جائیں گے اور تم
قال نعم والذی نفسی بیدہ واشد	جہاد چھوڑ بیٹھو گے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ
منہ سیکون۔ قالوا وما اشد منه یا	بھی ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں اس خدشہ
رسول اللہ؟ قال کیف انتم اذا العرتامرا	قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ
بالمعروف وتنہوا عن المنکر؟ قالوا	سخت مرحلہ آئے والا ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ

او کائن ذالک یا رسول اللہ؟ قال
نعم والذی نفسی بیدہ واشد
منہ سیکون۔ قالوا وما اشد منه؟ قال
کیف انتم اذا راہتکم المعروف منکموا
والمنکر معروفاً، قالوا او کائن ذالک
یا رسول اللہ؟ قال نعم والذی نفسی
بیدہ واشد منه سیکون، قالوا
وما اشد منه؟ قال کیف انتم
اذا امرتکم بالمنکر ونہیتکم عن المعروف
قالوا او کائن ذالک یا رسول اللہ قال
نعم والذی نفسی بیدہ واشد
منہ سیکون، یقول اللہ تعالیٰ بی حلفت
لا یتجن لہم فتنۃ یصیر لحلیم فیہا

حیران -

اس سے زیادہ سخت مرحد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا،
اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نہ نیکی کا حکم دے گے
اور نہ برائی سے روکے گے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا
یہ بھی ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس خدا کی قسم جس
کی مٹھی میں میری جان ہے اس سے بھی سخت مرحد سامنے
آنے والا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ!
اس سے زیادہ سخت کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس وقت
تمہارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ معروف منکر بن
گیا ہے اور منکر معروف بن گیا ہے؟ لوگوں نے کہا یا رسول
اللہ یہ بھی ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور اس خدا
کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے بھی
زیادہ سخت مرحد آنے والا ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا
رسول اللہ! اس سے زیادہ سخت کیا ہوگا؟ آپ نے
فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برائی کا حکم
دے گے اور بھلائی سے روکے گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول
اللہ کیا یہ بھی ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور اس خدا کی
قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت
وقت آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی
ذات کی قسم کھائی ہے کہ اس وقت میں ان کے لیے ایسا
فتنہ برپا کروں گا کہ بڑے بڑے دانشور بھی چکر
میں پڑ جائیں گے۔

اس حدیث سے وہ پوری تدریج سامنے آ جاتی ہے جس تدریج سے احتساب کے فرض سے غفلت نمایاں ہوتے ہی فتنہ کی تاریکی برہمنی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس طرح چھا جاتی ہے کہ بڑے بڑوں کو بھی نیکی اور سچائی کی راہ سوچھائی نہیں دیتی اور آنکھیں رکھنے والے بھی اندھے بن جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا مضمون کی تائید بعض دوسری حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف و
تنہون عن المنکر اولیو نکلن اللہ ان یبعث
عیکم عذابا من عنده ثم لتدعنه ولا
یستجاب لکم (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس
کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم نیکی کا حکم دو گے اور
برائی سے روکو گے یا یہ ہو گا کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے
ایک عذاب بھیجے گا، پھر تم اس کو پکارو گے لیکن تمہاری سنی
نہیں جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں یہی حقیقت ایک دوسرے اسلوب سے بیان ہوئی ہے۔
ما من قوم یعمل فیہ بالمعاصی ثم
یقعدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیرون
الا ان یوشک ان یعمہم اللہ بعقاب -

جس قوم کے اندر برائی پھیل رہی ہو اور اس کے اندر ایسے لوگ
ہوں جو اس کی اصلاح کر سکتے ہوں لیکن وہ اصلاح نہ کریں
تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقت قریب آگاہ ہوں
اللہ تعالیٰ ان سب کو کسی عذاب میں پکڑے۔

ایک حدیث جو ٹھیک ٹھیک قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر ہے اس حقیقت کو یوں واضح کر رہی ہے۔
ان اللہ تعالیٰ لا یعذب العامة
یعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظہرانہم
وہم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروا
فاذا فعلوا ذالک عذب اللہ العامة
والخاصة -

اللہ تعالیٰ عوام کو عذاب نہیں دیتا جب تک کہ وہ اپنے درمیان برائی کو
پھیلے ہوئے دیکھیں اور وہ اس کے خلاف آواز اٹھانے پر
قادر بھی ہوں لیکن وہ آواز نہ اٹھائیں جب وہ ایسا کرتے ہیں
تو اللہ تعالیٰ ان کے بدول اور بھلوں سب کو سزا دے دیتا ہے۔

اس باب میں سب سے زیادہ اہم حدیث بخاری کی حدیث ہے جو نہایت واضح طور پر کھول دیتی ہے کہ اگر کسی قوم کے اہل علم احتساب کے فرض سے غافل ہو جاتے ہیں یا محض منافقانہ قسم کے احتساب پر قانع ہو جاتے ہیں تو کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو علم و ایمان کی نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔

لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی
نہتہم علماءہم فلم ینتہوا فجالسوا
محاسنہم واکلوہم وشاربوہم فضرَب
اللہ قلوب بعضہم ببعض فلعنہم علی لسان
داؤد وعیسیٰ ابن مریم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہونے لگے تو ان کے علمائے شریعہ شروع شروع میں ان کو روکا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو بالآخر انہوں نے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک گروہ کے دلوں کی سیاہی دوسروں کے دلوں پر پھوپ دی اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی زبان سے ان پر لعنت کر دی گئی۔

بدعت | علم حقیقی کو برباد کرنے والی چیزوں میں سے ایک چیز بدعت بھی ہے۔ بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے دین میں نہیں ہے اور نہ اس کے مزاج سے کوئی مناسبت ہی رکھتی ہے اس کو دین میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے۔ شریعت میں اصل و اساس کی حیثیت صرف اس چیز کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریق پر ثابت ہے۔ اس کے بعد شریعت کے اندر اگر کسی چیز کو سمجھا جاتا ہے تو اس چیز کو سمجھا جاسکتا ہے جو مذکورہ اساسات سے مستنبط ہوئی ہو یا کم از کم ان کے اشارات سے سمجھی جاتی ہو۔ ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز دین میں لا داخل کرنا جو نہ دین کے کسی اصول ہی سے نکلتی ہو اور نہ اس کے مجموعی نظام ہی سے کوئی جوڑ رکھتی ہو، صریحاً بدعت ہے۔ بالخصوص جس چیز کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت موجود ہو اس میں محض اپنے ذوق اور اپنی ایجاد سے کوئی اضافہ کرنا یا اس سنت کا بدل پیدا کرنا بدعت کی نہایت ہی مکروہ قسم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی تمام دینی ایجادات کے بارہ میں یہ جامع حکم دیا ہے :-

من احدث فی امرنا هذا مالیس
جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز لا داخل کی جو

منہ فہو ۱۰۰ - (متفق علیہ) اس سے جوڑ نہیں رکھتی تو ایسی شے مردود ہے۔

بعض احادیث میں آپ نے بدعت کی تردید فرماتے ہوئے علم دین کے بنیادی ماخذوں کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان سے ہٹ کر کوئی چیز دین میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا بدعت ہے۔ اگر کوئی چیز ان کے اشارات سے نکل رہی ہو یا ان کے حدود کے اندر داخل ہو یا وہ زندگی کے اس دائرہ سے تعلق رکھنے والی ہو جس کو اسلام نے ہماری اپنی صواب دید پر چھوڑا ہے تو وہ چیز بدعت نہیں کہلائے گی۔

اما بعد فان خیرا لحدیث کتاب اللہ وخیرا لہدی ہدی محمد و شہ الامور محمد ثاتما وکل بدعة ضلالة۔ آپ نے ارشاد فرمایا بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے اور بدترین چیزیں وہ ہیں جو ان کے اندر ان سے بے جوڑ نئی پیدا کی جائیں اور ہر ایسی بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

اس بدعت کی سب سے زیادہ بُری قسم یہ ہے کہ کسی جاہلی فکر و فلسفہ کسی غیر اسلامی طور طریقہ، اور کسی کافرانہ رنگ و صنگ کو اسلام کے عقائد و ایمانیات یا اس کے نظام معیشت و معاشرت یا نظام تہذیب و تمدن میں گھسانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین شخص سب سے زیادہ قابل نفرت ہیں۔ ایک وہ جو حرم کے اندر کسی بے دینی کار کا ارتکاب کرے دوسرا وہ جو اسلام کے اندر جاہلیت کے کسی طریقہ کو گھسانے کی کوشش کرے، تیسرا وہ جو کسی مسلمان کی جان کے دھپے ہو تاکہ اس کا خون بہائے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا ہے کہ ہر بدعت جو ایجاد کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی سنت کو ضرور دھاتی ہے اور حیب کوئی قوم سنت کی جگہ بدعت کو پسند کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنت کی نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

ما احدث قوم بدعة الا دفع جس قوم نے بھی کوئی بدعت ایجاد کی تو اسی کے مانند اس کے

مثلهما من السنة - (مشکوٰۃ بحوالہ احمد) اندر سے سنت اٹھالی گئی۔

تحریف | بدعت کے بالمقابل علم حقیقی کو تاراج کرنے والی دوسری چیز تحریف ہے۔ بدعت میں غالب پہلو یہ ہے کہ جو چیز دین کی نہیں ہے اس کو دین میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے۔ اور تحریف میں غالب پہلو یہ ہے کہ جو چیز دین کی ہے، اپنے اغراض و خواہشات کے خلاف ہونے کے سبب اس کو دین سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔ علم حقیقی پر یہ آفت منفرد تسکوں میں نازل ہوئی ہے۔

اس کی ایک عام اور معروف شکل تو یہ رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی ایسی من مانی تاویلیں کی جائیں جو اس کلام سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہ رکھتی ہوں۔ الفاظ، قواعد زبان، سیاق و سباق، نظائر و شواہد اور خود تسکلم کے دوسرے اقوال و ارشادات صحیح صحیح کر اس تاویل سے اپنی بیزاری کا اعلان کر رہے ہوں لیکن محض اپنی خواہشات نفس کی اتباع میں اس تاویل کو کلام الہی پر یا کلام رسول پر چسپکنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ تاویل و تفسیر کے تکلف میں پڑنے کے بجائے سرے سے اس چیز ہی کو بدل ڈالا جائے جو امر حق کی طرف رہنمائی کے لیے نشانِ راہ کا کام دے رہی ہے یعنی کو اثبات، تنک کو یقین، زید کو بکر اور دن کو رات بنا کر اصل حقیقت کی اس طرح قلب مابیت کر دی جائے کہ اس کو پہچانا محال یا تقریباً محال ہو جائے۔

اس کی تیسری شکل یہ ہے کہ لفظ یا فقرے کو قرأت اور طرزِ ادا کے تصرفات سے اس طرح بدل دیا جائے کہ وہ جس حقیقت کی طرف رہنمائی کے لیے وضع ہوا تھا اس سے ہٹ کر ایک بالکل ہی مختلف سمت میں مڑ جائے۔ تحریف کی مذکورہ بالا تینوں تسکلوں کی طرف قرآن مجید نے یہود کے حالات بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے :-

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا
مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآثِلَةٍ
الفاظ کون کی جگہوں سے ہٹاتے ہیں اور انہوں نے
اس چیز کا ایک حصہ فراموش کر دیا جس کے ذریعہ سے
ان کو یاد دہانی کی گئی تھی اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خبیثت
سے آگاہ ہوتے رہو گے۔

دوسری جگہ ہے :-

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ
عَنْ مَوَاضِعِهِمْ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَ
أَمْرٌ غَيْرُ مُسْمِعٍ وَرَاعَيْنَا لِبَآئِلَ الَّذِينَ هُمْ
فِي الدِّينِ
اور یہودیوں میں سے وہ بھی ہیں جو کلمات کو ان کی جگہوں
سے ہٹاتے ہیں اور کہتے ہیں "سمعنا وعصینا" اور "سمع
غیر مسمع" اور "راعنا" اپنی زبانیں موڑ کر اور دین کی توہین
کے لیے ۔

یہود و نصاریٰ کے اندر تحریف کی یہ تینوں قسمیں پائی جاتی تھیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم حقیقی
کی روشنی سے بالکل ہی محروم کر دیا۔ مسلمانوں کے اندر جو گمراہ فرقے اٹھے وہ تحریف کی پہلی اور دوسری قسم پیدا
کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب و سنت کی لفظی تحریف میں کامیاب نہیں ہونے
دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر خاص فضل ہے ۔

کتمان حق | اسی سلسلہ کی ایک اہم چیز کتمان حق بھی ہے ۔ کتمان حق کا مفہوم یہ ہے کہ ایک امر کو جانتے ہوئے
اور اس کے اظہار کی ضرورت موجود ہوتے ہوئے کسی طمع یا خوف کے سبب اس کے اظہار سے گریز کیا جائے ۔
حق کی شہادت دینا اس امت کا حقیقی فرض منصبی ہے ۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ
کے دین اور اس کے آئائے ہوئے علم کو صحابہ کو پہنچایا اسی طرح اس امت کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اس علم کو
دوسروں تک پہنچائیں ۔

كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
اسی طرح ہم نے تم کو وسط شاہراہ پر قائم بنانے والی
ایک امت بنایا تا تم لوگوں کے سامنے حق کی گواہی
دو اور رسول تمہارے سامنے گواہی دے ۔

اسی فریضہ کی ادائیگی کا مطالبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے ان الفاظ میں فرمایا ہے :-
يَلْعَنُوا عَنِي وَلَوْ آيَةً
تم میری طرف سے لوگوں کو علم حق پہنچاؤ اگرچہ ایک
آیت ہی سہی ۔

اسی حقیقت کی طرف حضور نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے :-

نضر اللہ عبد اسمع مقالتي
اللہ تعالیٰ اس بندے کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے
محفظہا ووعاها وادھا۔
میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور محفوظ رکھا اور لوگوں
کو پہنچایا۔

اور جو لوگ علم رکھتے ہوئے اس کو چھپاتے ہیں ان کو حضور نے یہ وعید سنائی ہے۔
من سئل عن علمه علمه ثم كتمه
جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے
الحمد يوم القيامة بلجام من نار۔
لیکن اس نے چھپائی تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام
لگائی جائے گی۔

اس فرض سے عموماً دو چیزیں مانع ہوتی ہیں۔ ایک طمع، دوسری خوف۔
آدمی ان لوگوں کے سامنے اظہار حق سے لازماً جھجکتا ہے جن سے اس نے کوئی طمع وابستہ کر رکھی ہو۔ ایسوں
کے سامنے دین کی وہ باتیں تو کہی جاتی ہیں جو ان کو پسند ہوں، یا کم از کم انکو انصاف سے اختلاف نہ ہو۔ لیکن وہ باتیں کہتا جو ان
کی خواہشوں کے خلاف ہوں اور جن سے ان کی بد اعمالیاں بے نقاب ہوتی ہوں، کم از کم اس شخص کے لیے
ناممکن ہے جو ان سے اپنی کوئی ذمیوی غرض رکھتا ہو۔ حضرت کعب احبار نے حضرت عمرؓ کے ایک سوال کے
جواب میں اسی حقیقت کو یوں آشکارا کیا ہے۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعبؓ کو پوچھا کہ اہل علم
قال لكعب من ارباب العلم قال الذين
کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو اپنے علم پر
يعملون بما يعلمون قال فما اخرج العلم
عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ علم کو علماء کے سینوں
من قلوب العلماء قال الطمع مدشوة بخوالداری
سے نکالنا کس چیز نے؟ انہوں نے جواب دیا لاپچ نہ۔

یہی صاحب طمع اور خوشامدی گروہ ہے جس نے اپنے اغراض کے لیے ارباب اقتدار کی ہر بے راہ روی
اور گمراہی کو دین ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس طرح وہ خود بھی ذلیل ہوا اور اس نے دین کو بھی ذلیل کیا۔ انہی
لوگوں کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے۔

قال لوان اهل العلم صانوا العلم
فرمایا کہ اگر اہل علم اپنے علم کی قدر کرتے اور اس کو اس کے

ووضعوا عند اہلہ لسا وواہلہ اہل زمانہم
ولکنہم بذلواہل الدنیا لبنا لہواہل
من اہل الدنیا فتہانوا علیہم۔

مقداروں کے سامنے پیش کرتے تو اس کے ذریعے سے
وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر سرکاری کرتے لیکن انہوں نے
دنیا داروں سے صلہ حاصل کرنے کے لیے اس علم کو ان
کی مقصد براریوں کے لیے استعمال کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی
نگاہوں میں ذلیل ہو کے رہ گئے۔

اسی قسم کے اقتدار پرست اور دین فروش گروہ کا ذکر حضور نے ان الفاظ میں فرمایا ہے :-
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان اناسا من امتی سیتفقہون فی الدین
ویقرؤن القرآن یقولون ناتی الامراء فنصب
من دنیا ہم و نعتزلہم بدیننا
ولا یكون ذالک کما لا یجتني من التقاد
الا الشوک کذالک لا یجتني من قہم
(مشکوۃ بحوالہ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری
امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو فقہ اور تفسیر کا علم
حاصل کریں گے پھر وہ نہیں گے کہ اس میں کیا برائی ہے کہ ہم
ارباب اقتدار سے مل کے ان کی دنیا سے فائدہ اٹھائیں
اور اپنے دین کو ان سے بچائے رکھیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے۔
جس طرح بھول کے دھت سے کانٹے کے سوا اور کچھ نہیں
حاصل ہو سکتا اسی طرح ارباب اقتدار کے قریب (راوی کا
خیال ہے) گناہ کے سوا اور کچھ نہیں حاصل ہو سکتا۔

اسی قسم کے خوشامدی افسار بآب اقتدار کی عبادت کرنے والے دین فروشوں کے متعلق حضور نے یہ ارشاد
فرمایا ہے کہ یہ اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض ہیں اور جب اس قسم کے لوگ پیدا ہونے لگیں گے تو دین کی ساری
حقیقت مٹ جائے گی۔ صرف کچھ رسوم اور الفاظ باقی رہ جائیں گے۔ حضور کا ارشاد ہے :-

ان من الغیض القراء الی اللہ تعالیٰ
الذین یزورون الاصرار۔ یوشک ان یاتی
علی الناس زمان لا یتقی من الاسلام الا
اسمہ ولا یتقی من القرآن الا رسمہ الحدیث

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بُرے وہ مدعیان علم قرآن
ہیں جو ارباب اقتدار کے تقرب کے طلبگار ہیں۔ قریب ہے
کہ وہ زمانہ آئے کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی
رہ جائے اور قرآن میں سے صرف اس کے الفاظ۔

دوسری چیز جو اظہارِ کلمہ حق سے مانع ہوتی ہے وہ خوف ہے۔ یہ خوف مختلف چیزوں کا ہوتا ہے۔ کبھی اس عزت و سیادت کے چھین جانے کا ہوتا ہے جو آدمی کو حاصل ہوتی ہے، کبھی عوام کی برہمی اور غفلت کا اندیشہ ہوتا ہے، کبھی اربابِ اقتدار کے غصہ و غضب اور اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر کسی آزمائش کے پیش آ جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اس خوف کو قرآن نے متعدد مقامات میں بڑی وضاحت کے ساتھ منافقین کی صفات میں سے گنایا ہے اور اچھے مسلمانوں کی تعریف اس کے مقابل میں یہ بیان کی ہے۔

قَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ
أَذْكُرُوا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةً عَلَى الْكَافِرِينَ
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ
لَا يُغْنِي عَنْهُمْ - (۵۲- مائدہ)

پس عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے محبت کرے گا اور جو اس سے محبت کریں گے، جو مسلمانوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، جو اللہ کے راستے میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔

اسی حقیقت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے :-

لَا يَنْعَن أَحَدًا مِنْكُمْ هَيْبَةً النَّاسِ
ان يقول بحق إذا علمه -

تم میں سے کسی کے لیے انسانوں کا رعب اس بات سے مانع نہ ہو کہ وہ حق کا اظہار نہ کرے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو۔

اسی چیز کو اس مشہور حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے -

افضل الجهاد كلمة حق عند
سلطان جائر -

سب سے زیادہ مبارک جہاد کسی حق سے منحرف صاحب اقتدار کے سامنے کلمہ حق کا کہنا ہے۔

اگر قوم کے اندر اظہارِ حق کا یہ جوہر باقی نہ رہے اور مدائنت اور کتمانِ حق کی بیماری پھیل جائے تو پھر اس کی منہ اس قوم کو یہ مانتی ہے کہ اس کے اندر سے علمِ حق غائب ہو جاتا ہے۔ پچھلی امتوں میں سے یہود و نصاریٰ اس کی نہایت عبرت انگیز مثال موجود ہیں۔

اشتغال بالادنیٰ | علمِ حقیقی کی نعمت سے محروم کرنے والی چیزوں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ دوسرے حقیر علوم کو اس علم پر ترجیح دی جائے اور آہستہ آہستہ یہ بد مذاقی اس قدر بڑھ جائے کہ پھر طبیعت کے اندر اعلیٰ اور

حقیقی علم کے لیے سرے سے کوئی رغبت ہی باقی نہ رہ جائے عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کے پڑھنے پڑ جانے سے دنیوی منفعتیں اور غنائیں حاصل ہو سکتی ہیں، یا جن چیزوں کا علم وقت کی سوسائٹی میں شہرت اور حصول مقاصد کا ذریعہ بن سکتا ہے، یا جن چیزوں کا مطالعہ لذت اور بے فکری کے ساتھ اوقات گزاری کا سامان فراہم کر سکتا ہے، طبیعتیں انہی کی طرف مائل ہوتی ہیں اور یہ میلان اس قدر غالب اور ہمہ گیر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے سوا جو یا تو نرسے قد است پرست ہوں یا زمانہ کے رجحان عام بلکہ اس کی وبلٹے عام سے لڑ کر جینے کا دم داعیہ رکھتے ہوں اور کوئی بھی اس بات کی بہت نہیں کر سکتا کہ اپنا اور اپنی اولاد کا وقت ان چیزوں کے سیکھنے سکھانے پر ضائع کرے جو حقیقت کے نقطہ نظر سے خواہ کتنی ہی قدر و قیمت کی حامل ہوں لیکن وقت کے بازار میں ان کی کوئی مانگ نہ ہو۔

پچھلی ملتوں میں سے یہود کے متعلق صاف قرآن میں بیان ہوا ہے کہ جب ان کے اندر کلدانیوں کے علوم سے سحر و سحری — اور صوفیانہ قسم کے علوم مثلاً علم خواص کلمات اور عملیات حب و بغض اور تسخیر نبات و شیطا طین کا زور دھڑکا تو وہ ان میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب پیچھے دیکھ چھینک دی اس کے سیکھنے سکھانے کے لیے ان کے اندر سرے سے کوئی میلان باقی ہی نہیں رہ گیا۔ چنانچہ قرآن نے ان کا حال یہ بیان کیا ہے۔

اور جب ان کے پاس ایک رسول آیا اللہ کی طرف سے
سچ ثابت کرنے والا ان پیشینگوئیوں کو جو ان کے پاس موجود
تھیں تو ان لوگوں کے اندر سے جن کو کتاب ملی تھی ایک گروہ
نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس سے
واقف ہی نہیں۔ اور پیچھے پڑ گئے ان چیزوں کے جو
شیاطین سلیمان کے زمانہ میں پڑھتے پڑھاتے تھے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ
أَوْفُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورَهُمْ
كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَاتَّبَعُوا مَا سَتَرُوا الشَّيَاطِينُ
عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ - (۱۲۲ بقرہ)

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا۔

پس ان سے سیکھتے تھے وہ علم جس

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ

بَيِّنَ الْمَرْءُ وَتَرَوْهُ وَ مَا هُمْ بِضَادِّينَ
 بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ - وَيَعْلَمُونَ
 مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِهِمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ -

کے ذریعہ سے مرد اور اس کی
 بیوی کے درمیان عداوتی کرا سکیں۔ حالانکہ اس کے
 ذریعہ سے وہ خدا کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا
 سکتے تھے اور وہ سیکھتے تھے وہ علم جو ان کو نقصان پہنچاتا
 تھا نفع نہ پہنچاتا تھا۔

یہی صورت مسلمانوں کے اندر اس وقت پیش آئی جب یونانی علوم کا فتنہ پھیلا۔ عباسیوں کے زمانہ میں
 جب منطق و فلسفہ اور دوسرے یونانی علوم کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کا پڑھنا پڑھانا شروع
 کیا تو ٹھوڑے ہی عرصہ میں یہ حال ہو گیا کہ بہتر سے بہتر دینی حلقوں میں بھی قرآن اور حدیث کا علم محض برائے
 تبرک رہ گیا۔ یہ چیزیں وقت کی سوسائٹی کے دل و دماغ پر اس قدر چھا گئیں کہ وہ شخص پڑھا لکھا نہیں سمجھا
 جاتا تھا جو ان چیزوں کے اندر کچھ دخل نہ رکھتا ہو۔ اول تو لوگوں میں دین کو پیش کرنے کا ولولہ ہی سرد پڑ گیا۔
 لیکن اگر کچھ باقی رہا بھی تو اس کی جرأت بہت کم لوگ کر سکتے تھے کہ دین کو براہ راست کتاب و سنت کے
 واسطہ سے پیش کریں بلکہ وہ مجبور ہوئے کہ انہی بولیوں اور انہی اصطلاحات میں بات کریں جو منطق و فلسفہ کے
 رعب و اثر نے زبانوں پر چڑھا دی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین کے پیش کرنے کا اصلی ذریعہ علم کلام بن گیا جس کو
 مذہب کی بگڑی ہوئی شکل کہنا تو اس کی غرت افزائی ہوگی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلسفہ اور منطق اور
 یونانی علم مناظرہ کی ایک مسخ شدہ شکل تھا۔

اسی طرح ارباب تصوف نے اثرائت اور ویدانت سے جتنا اثر قبول کیا تو اس راہ سے بہت سے
 فتنے ایسے گھس آئے جو علم حقیقی کی رہنمائی سے محروم کرنے والے ثابت ہوئے۔ اور بعد کے زمانوں میں تو ان لوگوں
 کا بیشتر اعتماد صرف گندوں، تعویذوں اور تسخیر و تاثیر کے عملیات پر رہ گیا۔ جس نے ان چیزوں میں کچھ دخل حاصل
 کر لیا اس کا کاروبار چل گیا اور جو اس میں پیچھے رہے وہ بالکل ہی ناکام ثابت ہوئے۔ بہت ہی ٹھوڑے لوگ ایسے
 نکلے جو اس روش عام سے ہٹ کر چلنے کی جرأت کر سکے۔

اب اس دور آخر میں اس فتنہ کا جو حال ہے اس کا اندازہ ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سکتا ہے کہ
 رہا باقی ص ۱۷۵